تلمیحاتِ اقبال کا ایک جائزہ

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی۔ گورنمنٹ کالج۔ لائلپور۔

اقبال کی شاعری ایک پیغام ہے۔ یہ پیغام جمود و تعطّل کا نہیں، حرکت و عمل کا ہے۔ اقبال نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، جس فضا میں پرورش پائی اور جن حالات سے دوچار ہوئے وہ کچھ ایسے تھے جن میں عجمی تصوّرات اور غیر اسلامی اقدار کی کارفرمائی تھی۔ اقبال نے یہ محسوس کیا کہ اگر مسلم قوم کو دنیا میں سربلند ہوکر رہنا ہے تو اسے اسلامی اقدار کو اپنانا ہوگا، کیونکہ اسلامی اقدار بذاتِ خود انقلاب آفریں ہیں۔ اقبال کا اس پر ایمان تھا کہ مسلمان امامت کے لئے پیدا ہوا ہے اور یہ امامت اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ خود اسلامی زندگی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے۔ اقبال نے اس نصب العین کو اپنانے میں جو رکاوٹیں تھیں ان کو اپنی شاعری کے زور سے دور کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے اقبال کے نزدیک وہ رکاوٹیں اپنی روایات سے بیگانگی اور عجمی تصورات میں محصور ہونا تھا۔ حالات یہ تھے کہ ہندوستان کا مسلمان کئی سو برس سے ذہنی اور عملی حیثیت سے پست ہوچکا تھا اور انگریزی کی غلامی نے اس کے اندر جو صلاحیتیں باقی تھیں انھیں بھی ختم کردیا تھا۔ غدر کے بعد ہی سے چند حساس مسلمان رہنماؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زندگی کی تگ و دو میں مسلمان کو متمدن ترین قوموں کی سطح پر لاکر کھڑا کردیا جائے لیکن وہ رہنما خود اس حکمراں تمدن سے مرعوب تھے۔ اسلام کا صحیح نصب العین ان رہنماؤں کی نظر سے اوجھل تھا۔ ان حالات میں اقبال پیدا ہوئے۔ اقبال نے دین کا حرکی تصور لے کر اور دین کی غیر متبدل اقدار و تصوّرات کو بنیاد مان کر ہر معاصر تمدن کے صالح اجزا کو اس میں سمونے کی کوشش کی تاکہ ہندی مسلمان اپنے دین کے بنیادی تصوّرات پر قائم رہتے ہوئے اور زمانے کے جدید تقاضوں کو بھی

پیشِ نظر رکھ کر اپنا فرضِ منصبی ادا کرنے کا اہل ہو سکے۔

اقبال کے پیغام کو اگر ہم اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام اور قرآن کی طرف پھر رجوع کرنے کی دعوت ہے۔ مسلمانوں میں عام طور پر دین کا تصور نہایت محدود تھا۔ ان کے نزدیک دین چند عجمی عقائد اور چند رسموں کے مجموعے کا نام رہ گیا تھا۔ اقبال نے ان تمام پردوں کو جو کہ امتدادِ زمانہ کے باعث قرآن اور اسلام پر پڑ چکے تھے چاک کر کے قرآن اور اسلام کو اس روشنی میں دیکھا جس سے اُن کا اصلی مفہوم متعین ہو سکتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اور خدا کا صحیح مقام کیا ہے اور انسان اپنا حقیقی مقام کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اقبال کی رائے میں اس کا حصول خودی کے ذریعہ ممکن ہے۔ ان کے نزدیک صاحبِ خودی زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے جس شخص کی خودی کمال کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے وہ تسخیرِ فطرت کر لیتا ہے اور جب فطرت پر اس کا تصرف ہو جاتا ہے تو وہ کائنات کی تمام اشیاء پر قابض و متصرف ہو کر نائبِ حق بن جاتا ہے۔ اقبال نے انسان کا منصبِ جلیل یہ متعین کیا ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہو۔

اقبال کو جہاں کہیں اس منصبِ جلیل کی تائید جزوی یا کلی طور ملی ہے اسے قبول کر لیا ہے، مثلاً جب وہ اطالیہ کے آمرِ مطلق مسولینی پر نظم کہتے ہیں تو اس سے غرض مسولینی کے عقائد یا اس کی حکمتِ عملی کی تعریف نہیں بلکہ اس کی ندرتِ فکر و عمل کی خوبی کو اُجاگر کرنا ہے اور چونکہ ندرتِ فکر و عمل ایک اسلامی قدر ہے اس لئے اقبال کو اس میں ایک اسلامی قدر کا احیاء نظر آتا ہے اور اسی لئے وہ مسولینی کی زندگی کے اس پہلو کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور جب یہی مسولینی ابی سینیا پر حملہ کرتا ہے تو اقبال اس کی نہایت شد و مد سے مذمت کرتے ہیں — گویا تعریف مسولینی کی نہیں بلکہ اس کے کسی خاص وصف کی ہے۔ اسی طرح ابتدا میں اقبال کو مصطفےٰ کمال سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے مصطفےٰ کمال کی فتوحات سے متاثر ہو کر اپنی غیر فانی نظم "طلوعِ اسلام" قوم کے سامنے پیش کی۔ گویا انھیں اسلام اور اسلامی اقدار کا احیا مصطفےٰ کمال کی ذات میں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جب یہی مصطفےٰ کمال فرنگی افکار اور تہذیب و تمدن سے مرعوب ہو کر ترکی کو مغربیت سے قریب تر لا کر اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے تو اقبال زوردار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مصطفےٰ کمال کی اس اصلاح سے

اسلام کو نقصان پہونچ رہا تھا۔ اسی طرح وہ اٹلی کے مشہور سیاست داں اور ادیب میکیاولی اور یونان کے مشہور ترین فلسفی افلاطون کی مذمت کرتے ہیں، کیونکہ میکیاولی نے اپنی تصنیف "کتاب الملوک" میں مذہب کو سیاست سے ایک الگ چیز قرار دیا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے سیاست کو مذہب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ افلاطون کے فلسفے سے جدّوجہد، تگ و دو اور عمل کے فلسفے کو ضعف پہونچتا ہے اس لئے وہ افلاطون کے اس نظریے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کیونکہ عمل کو اسلامی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کی جس شخصیت کو اقبال نے سراہا ہے یا جس کی مذمت کی ہے ہر جگہ ایک ہی نقطۂ نظر کارفرما نظر آتا ہے اور وہ ہے اسلامی اقدار کا احیا — اگر وہ دنیا کی بڑی بڑی تحریکوں سے متاثر ہوتے ہیں تب بھی اس لئے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں بھی اسی طرح کا انقلاب رونما ہو جو فاسد مادے کو ختم اور صالح عناصر کو پیدا کرے جس طرح انقلابات کی بدولت دوسرے ممالک میں ہوتا رہا ہے۔

اقبال کے یہاں مشرق و مغرب کے چوٹی کے حکماء کا ذکر ملتا ہے۔ مغربی حکماء کی عقلیت انھیں پسند آتی ہے اور وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں کسی کے یہاں انھیں اصولِ ارتقا ملتا ہے اور کسی کے یہاں اشیاء کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت۔ وہ دعوت جس سے دینِ فطرت کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ اقبال چونکہ اسلام کو ایک ابدی مذہب مانتے ہیں۔ اس لئے اُن کے نزدیک اس میں وہ صفات ہونی چاہئیں جنھیں ہم عقلی طور پر دنیا کے سامنے پیش کر کے تسلیم کرا سکیں دوسری طرف وہ مشرقی حکماء کا اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اتباع اس لحاظ سے کہ انھیں ان کے یہاں بعض اسلامی اقدار کی توضیح و تشریح مل جاتی ہے جس میں کچھ اور اضافے کے ساتھ عہدِ جدید کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور اس طرح موجودہ زمانہ کے اس ذہن کو مطمئن کیا جا سکتا ہے جو ہر وقت تشکک کا شکار رہتا ہے۔

اقبال کا نقطۂ نظر حکیمانہ کی بجائے "عارفانہ اور صوفیانہ" معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے آیات و احادیث زیادہ تر وہ ہیں جو صوفیہ کے یہاں بالخصوص مولانا روم کے یہاں ملتی ہیں۔ قرآن اور احادیث کی تلمیحات اگر بیک وقت رومی اور اقبال دونوں کے سامنے رہیں تو یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے قرآن اور حدیث سے وہی کچھ لیا ہے جو خود رومی نے پسند کیا ہے۔ گویا اقبال نے تقریباً ان ہی آیات اور احادیث کو انتخاب کیا ہے

جو رومی کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ براہ راست نہیں کیا گیا بلکہ رومی کے توسط سے کیا گیا ہے۔ نہ صرف قرآن اور حدیث کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے بلکہ اکثر اقوال کے بارے میں بھی جن کا ماخذ صوفیہ کے یہاں بتایا گیا ہے۔ اُن کی بابت بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی رومی کے یہاں سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً لاموجود الا اللہ وغیرہ وغیرہ۔ جو مقولہ اقبال نے امام شافعی کا بتایا ہے۔ یعنی اَلْوَقْتُ سَیْفٌ وہ بھی ہمیں رومی کے یہاں مل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے واقعات بھی جو اقبال نے اپنے یہاں پیش کئے ہیں وہ بھی زیادہ تر ہمیں رومی کے یہاں مل جاتے ہیں۔ مثلاً اقبال نے اسرارِ خودی میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

خود فرود آ از شتر مثلِ عمر   الحذر از منتِ غیر الحذر

یہ واقعہ ہمیں رومی کے یہاں اس طرح ملتا ہے۔

تازیانہ از کفش افتاد راست   خود فرود آمد ز کس چیزے نخواست (دفتر ششم)

رومی نے مذکورہ بالا شعر میں ایک صحابی کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اقبال نے غالباً ضرورتِ شعری کی وجہ سے یہاں حضرت عمر کا نام بھی درج کر دیا ہے اگرچہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کا نہیں ہے۔

ہمارے اس دعوے کی تائید کہ اقبال نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ براہ راست نہیں کیا بلکہ رومی کے توسط سے کیا ہے۔ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہو سکتی ہے۔ پہلے چند شعر تلمیحاتِ قرآن کے سلسلہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) گفت قاضی فی القصاص آمد حیات   زندگی گیرد بایں قانون ثبات (رموزِ بیخودی ص ۱۲۴)

گر نفرمودی قصاص او بر جناة   تا نہ گفتی فی القصاص آمد حیات

(رومی۔ دفتر اوّل ص ۲۲۲۔ مطبوعہ نولکشور۔ لکھنؤ)

اقبال کے پہلے اور رومی کے دوسرے مصرع میں الفاظ کی تکرار قابلِ توجہ ہے۔

(۲) قصۂ دار و رسن بازیِ طفلانۂ دل   التجائے اَرِنی سرخیِ افسانۂ دل (بانگ درا ص ۵۴)

جملہ کف ہا در دعا افراختہ   نعرۂ اَرِنی بہم در ساختہ (رومی۔ دفتر ششم ص ۱۶۰)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

(۳) "کشتیٔ مسکین" و "جانِ پاک" و "دیوارِ یتیم"   علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش (بانگ درا ص ۳۹۸)
چوں مناسب ہائے احوالِ خضر   عقلِ موسیٰ بود در دیدش کدر (دفترِ دوم ص ۲۲۱)

اقبال کا قرآنی اشارہ رومی کے مندرجہ بالا شعر میں مل جاتا ہے۔

(۴) قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ   عشق را ناموس و نام و ننگ دہ (اسرارِ خودی ص ۴۹)
صبغۃ اللہ نام آں رنگِ لطیف   لعنۃ اللہ بوی ایں رنگِ کثیف (دفترِ اول ص ۷۱)

یہاں نہ صرف قرآنی تلمیح مشترک ہے بلکہ لفظ رنگ بھی اقبال و رومی دونوں کے یہاں موجود ہے۔

(۵) درکفِ مسلم مثالِ خنجر است   قاتلِ فحشا و بغی و منکر است (اسرارِ خودی ص ۴۷)
جوششِ افزونیٔ زر در زکوٰۃ   عصمت از فحشا و منکر در صلوٰۃ (دفترِ ششم ص ۴۳۲)

اقبال کی قرآنی تلمیح نماز کی طرف ہے۔ رومی کے شعر میں لفظ صلوٰۃ پہلے ہی سے موجود ہے۔

(۶) مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست   زندگانی محکم از لاتقنطواست (رموزِ بیخودی ص ۱۰۸)
در سوادِ آں دیرہیں زنہار تو   وردِ خود کن دمبدم لاتقنطوا (دفترِ ششم ص ۱۲۷)

لاتقنطوا دونوں شعروں میں موجود ہے۔

(۷) درگذر مثلِ کلیم از رودِ نیل   سوئے آتش گامزن مثلِ خلیل (جاوید نامہ ص ۹۳)
من نیم فرعون کآیم سوئے نیل   سوئے آتش میروم ہمچو خلیل (دفترِ پنجم ص ۳۱)

اقبال کے یہاں شعر کے پہلے اور دوسرے مصرع میں قرآنی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ رومی کے یہاں بھی مذکور ہیں۔ نہ صرف تلمیح مشترک ہو بلکہ اقبال اور رومی کے یہاں آخری الفاظ بھی یکساں ہیں۔

(۸) بندۂ مومن امین حق مالک است   غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است (جاوید نامہ ص ۹۰)
می نماند در جہاں یک تار مو   کُلُّ شَیٍٔ ہالکٌ الا وجہہٗ (دفترِ چہارم ص ۲۱۱)

اقبال نے مصرع ثانی میں جس قرآنی تلمیح کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

(۹) مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت   تا نہ بینی از مقامِ "ما رمیت" (جاوید نامہ ص ۱۵۰)
مَا رَمَیتَ اِذْ رَمَیتَ راست داں   ہرچہ دارد جاں بود از جانِ جاں (دفترِ دوم ص ۱۷۲)

اقبال کے مارمیت کا ماخذ رومی کے مصرع اولیٰ میں موجود ہے ۔

(۱۰) ہر دو از ذوقِ ستم گردوں فزوں   در دمن یالیتَ قومی یعلمون   (جاوید نامہ ۱۶۹)
گفت ہر برگ و شگوفہ آں غصوں   دمبدم یالیتَ قومی یعلمون   (دفتر سوم ص ۱۴۸)

دونوں شعروں کے مصرع ثانی کے آخری الفاظ کی تکرار قابلِ غور ہے۔

(۱۱) آب و نانِ ماست از یک مائدہ   دودۂ آدم "کنفسٍ واحدہ"   (جاوید نامہ ص ۹۰)
روح انسانی کنفسٍ واحداست   روحِ حیوانی سفالی جامداست   (دفتر دوم ص ۱۴)

اقبال اور رومی کے یہاں کنفس واحد کی تلمیح مشترک ہے ۔

(۱۲) حکمِ حق ہے لیس للانسان الا ماسعیٰ   کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار   (بانگ درا ص ۳۳۵)
چوں نکرد انکار فردش ہست را   لیس للانسان الا ماسعیٰ   (دفتر چہارم ص ۱۸۶)

دونوں شعروں میں ایک ہی بات دہرائی گئی ہے ۔

(۱۳) از شریعت احسن التقویم شو ۔   وارثِ ایمانِ ابراہیم شو   (پس چہ باید کرد ص ۴۰)
احسن التقویم از فکرت برون   احسن التقویم از عرش فزون   (دفتر ششم ص ۶۹)

اقبال کے احسن التقویم کا ماخذ رومی کے یہاں موجود ہے ۔

(۱۴) چوں کلیمے سوئے فرعونے رود   قلب او از لاتخف محکم شود   (رموز بیخودی ص ۱۰۹)
نے ز دریا ترس و نے از موجِ کف   چوں شنیدی تو خطابِ لاتخف   (دفتر سوم ص ۳۴)

دونوں شعروں کا نہ صرف ماخذ ایک ہے بلکہ بات بھی ایک ہی کہی گئی ہے ۔

(۱۵) جوئے اشک از چشمِ بیخوابش چکید   تا پیامِ طَھِّرا بیتی شنید   (رموز بیخودی ص ۱۱۵)
طَھِّرا بیتی بیانِ پاکی است   گنجِ نور است ار طلسمش خاکی است   (دفتر اوّل ص ۴۳)

پیام اور بیان کے ساتھ طھرا بیتی کی تکرار اقبال اور رومی دونوں کے یہاں موجود ہے ۔

(۱۶) علمِ اسما اعتبارِ آدم است   حکمتِ اشیا حصارِ آدم است   (رموز بیخودی ص ۱۶۸)
بوالبشر کو عَلَّمَ الاسماء بگست   صد ہزاراں علمش اندر ہر رگست   (دفتر اول ص ۱۱۰)

اقبال اور رومی کے یہاں ایک ہی بات کہی گئی ہے ۔

(۱۷) چوں ز بندِ آتشِ ابراہیم رست　　در میانِ شعلہ ہا نیکو نشست　　(اسرار خودی ص ۷۶)
اندریں وادی مرو بے ایں دلیل　　لا اُحِبُّ الآفلیں گو چوں خلیل　　(دفتر اول ص ۴۳)

اقبال کے شعر کا ماخذ رومی کے شعر میں مل جاتا ہے ۔

(۱۸) پنجۂ او پنجۂ حق می شود　　ماہ از انگشت او شق می شود　　(اسرار خودی ص ۲۷)
گر ترا اشکال آید در نظر　　پس تو شک داری در انشقّ القمر　　(دفتر اول ص ۹۸)

اقبال نے مصرع ثانی میں معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ کیا ہے جو رومی کے یہاں موجود ہے ۔

(۱۹) خرقۂ آں "برزخ لا یبغیان"　　دیدمش در نکتۂ "لی خرقتان"　　(مسافر ص ۳۱)
بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہم عناں　　در میانش برزخٌ لا یبغیان　　(دفتر اول ص ۳)

اقبال کی قرآنی ترکیب "لا یبغیان" رومی کے ہاں موجود ہے ۔

(۲۰) راز ہا بر مردِ مومن باز گوئے　　شرحِ رمزِ "کلّ یومٍ" باز گوئے　　(جاوید نامہ ص ۸۵)
بہرِ ایں فرمود رحمٰن اے پسر　　کل یوم ہو فی شان اے پسر　　(دفتر اول ص ۱۵۷)

اقبال کی قرآنی ترکیب "کل یوم" رومی کے مصرع ثانی میں مل جاتی ہے ۔

یہ تو تھے چند شعر رومی کے اقبال کی تلمیحاتِ قرآن کے سلسلہ میں ۔ اب اقبال کی تلمیحاتِ حدیث کے لئے چند شعر رومی کے ملاحظہ ہوں ۔

(۱) تا کجا در روز و شب باشی اسیر　　رمزِ وقت از لی مع اللہ یاد گیر　　(اسرار خودی ص ۸۱)
لی مع اللہ وقت بود آں دم مرا　　لا یسع فیہ نبیٌ مجتبیٰ　　(دفتر چہارم ص ۲۱۷)

اقبال کی تلمیح رومی کے یہاں موجود ہے ۔

(۲) گفتمش بگذر ز آئینِ فراق　　ابغض الاشیار عندی الطّلاق　　(جاوید نامہ ص ۱۵۹)
تا توانی پا منہ اندر فراق　　ابغض الاشیار عندی الطّلاق　　(دفتر دوم ص ۱۱۸)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے یہاں مل جاتی ہو ۔ رومی اور اقبال کے مصرع اولیٰ کے آخری الفاظ

قابلِ غور ہیں۔

(۳) آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست   چشمِ او ینظر بنور اللہ نیست   (پس چہ باید کرد ص ۳۷)
آنکہ او ینظر بنور اللہ بود   ہم ز مرغ و ہم ز مو آگہ بود   (دفتر ششم ص ۷۸)

اقبال کا مصرع ثانی اور رومی کا مصرع اولیٰ کتنا ملتا جلتا ہے۔

(۴) گفت با اُمت "ز دنیائے شما   دوست دارم طاعت و طیب نسا" (رموز بیخودی ص ۱۳۰)
بہر ایں بو گفت احمد در عظات   دائما قرۃ عینی فی الصلات   (دفتر دوم ص ۲۲۰)

اقبال نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رومی کے یہاں موجود ہو۔

(۵) آب و گِل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز   ابلہِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار   (ارمغان حجاز ص ۲۲۰)
بیشتر اصحابِ جنت ابلہ اند   تا ز شرِّ فیلسوفی می رہند   (دفتر ششم ص ۱۵۶)

اقبال نے ابلۂ جنت کی ترکیب استعمال کر کے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہو۔

(۶) آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت   مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت   (اسرار خودی ص ۲۵)
رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو   از توکل در سبب کاہل مشو   (دفتر اول ص ۸۳)

اقبال نے الکاسب حبیب اللہ کو حدیث لکھا ہے اگرچہ یہ حدیث نہیں ہو۔ اس کا ماخذ بھی رومی کے یہاں مل جاتا ہے۔

اقبال نے اسرارِ خودی میں ایک حکایت کا عنوان الوقت سیف قائم کیا ہو۔ اس حکایت میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

فکرِ او کوکب ز گردوں چیدہ است   سیفِ بُرّاں وقت را نامیدہ است

اس شعر کے ضمن میں اقبال نے الوقت سیف کو حضرت امام شافعی کا مقولہ بتایا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں کہ یہ مقولہ حضرت امام شافعی ہی کا ہو۔ ایک سوال یہ ہے کہ یہ مقولہ اقبال کو ملا کہاں سے۔ ہمارے خیال میں اقبال نے یہ بھی امام شافعی کے ہاں سے نہیں رومی کے یہاں سے لیا ہو۔ چنانچہ رومی فرماتے ہیں۔

قال الطمعی فانی جائع   فاعجل فالوقت سیف قاطع   (دفتر اول ص ۱۱)

اقبال کی تلمیحات قرآن اور حدیث کے سلسلہ میں رومی کے چند شعر اس لئے نقل کئے گئے کہ اقبال اور رومی کے تقابلی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچ سکیں کہ اقبال کے قرآن اور حدیث کے مآخذ تقریبًا وہی ہیں جو رومی نے اپنی زندہ جاوید مثنوی میں پیش کئے ہیں جس کو ع ہست قرآں در زبانِ پہلوی کہا گیا ہے ۔ اس لئے یہ کہنا حقیقت سے دور نہیں کہ اقبال نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ مثنوی کی روشنی میں کیا ہے ۔

اقبال نے جن فارسی شعراء کے اشعار یا مصرعے اپنے کلام میں لئے ہیں وہ بھی زیادہ تر وہی ہیں جو ہمیں فارسی کے صوفی شعراء کے یہاں ملتے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اقبال صوفی شعراء سے بہت متاثر تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان صوفیہ کے اشعار کثرت سے نقل کرتے ہیں ۔ البتہ یہاں ایک چیز قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اقبال نے ان صوفی شعراء کو نہیں لیا ہو جن کے یہاں نفیٔ خودی کا رجحان ملتا ہو ۔ اقبال نے تو سروکار صرف ان ہی سے رکھا ہے جن کے یہاں اثباتِ خودی پر زور ہو ۔ مثلاً سنائی، عطار، رومی وغیرہم ۔ صوفیہ کے سلسلہ میں ایک بات اور بھی قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ اقبال شہنشاہوں سے اتنے متاثر نہیں جتنے کہ صوفیہ سے ہیں ۔ اُن کے کلام کا سرسری مطالعہ بھی یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ جس والہانہ انداز سے وہ صوفیہ مثلاً حضرت علی ہجویری، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں وہ ہمیں تاریخِ عالم کے شہنشاہوں کے ساتھ نہیں ملتی ۔ گویا اقبال کے نزدیک اسلامی اقدار کا احیاء یا خود اسلام کی تبلیغ کا سہرا صوفیہ کے سر ہے نہ کہ شہنشاہوں کے سر ۔ اور اگر کسی شہنشاہ کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہو تو صرف اس کو جس میں شانِ فقر بھی موجود تھی ۔

اقبال کی تلمیحات و اشارات دیکھنے کے بعد ایک ہی رائے قائم کرنی پڑتی ہو اور وہ یہ ہے کہ اُن کا ایک پیغام ہے ایک نصب العین ہے اسی پیغام اور نصب العین کو عام کرنے کے لئے وہ تاریخِ عالم کی بعض شخصیات اور تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ ان شخصیات اور تحریکوں میں ہر قسم کی شخصیات اور تحریکیں شامل ہیں، سیاسی بھی، تاریخی بھی، اخلاقی بھی، ادبی بھی، مذہبی بھی اور فلسفیانہ بھی، جہاں اور جس سے ان کے نصب العین کی تائید ہوتی ہے اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے خونِ جگر کی آمیزش سے اس کے حسن اور افادیت

میں اضافہ کردیتے ہیں اور جو تحریک یا شخصیت اُن کے کام کی نہیں ہوتی اس کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ ان کا پیغام کم و بیش وہی ہے جو اسلام کا ہے۔ اس پیغام کی نشر و اشاعت میں اقبال تمام عمر کوشاں رہے۔ اور بڑی حد تک انھوں نے اس جمود کو ختم کردیا جس میں ہندی مسلمان ایک عرصہ سے مبتلا تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ان ہی اقدار کو زیادہ تر پیش کیا ہے جو خود اسلامی ہیں۔ غیر اسلامی خیالات، عجمی تصوّرات اور ہندی آب و رنگ کی قدم قدم پر مخالفت کی ہے۔ اس طرح اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کے احیاء کی سعی کی۔ اس سعی و کوشش میں انھیں جہاں سے جو کچھ ملا اسے لے لیا اور پیش کردیا۔ اقبال نے دنیا کی تقریباً تمام شخصیتوں اور تحریکوں سے کم و بیش اپنے مفید مطلب چیزیں اخذ کی ہیں اور ان کو ایک نیا آب و رنگ دے کر ان میں اپنا خونِ جگر ملا کر اور ان کی تزئین کرکے قوم کو اس سے فائدہ پہنچایا ہے۔ قوم نے اس کی پذیرائی کی ہے، اسے قبول کیا ہے، اس سے اثر پذیر ہوئی ہے اور اس کی بدولت اپنے صحیح مقام کو جاننے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ یہ ہے اقبال کا وہ عظیم کارنامہ جسے کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

غلامانِ اسلام

اسّی کے قریب ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہا اور محدثین اور اربابِ کشف و کرامات اور اصحابِ علم و ادب کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و تلاش سے جمع کئے گئے ہیں جنھوں نے غلام یا آزاد غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمات انجام دیں جنھیں اسلامی سوسائٹی میں عظمت کی کرسی پر بٹھایا گیا اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور اسلامی کارنامے اس قدر شاندار اور روشن ہیں کہ اُن کی غلامی پر آزادی کو بھی رشک آتا ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی محققانہ، دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب، اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ تالیف مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے۔ دوسرا ایڈیشن صفحات ۸۰۴ بڑی تقطیع۔ قیمت پانچ روپے آٹھ آنے۔ مجلد چھ روپے آٹھ آنے

مکتبۂ برہان۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی۶